فکر و نظر.......... اسلام آباد جلد: ۴۷ شمارہ: ۲

تعارف و تبصرۂ کتب

نام کتاب : داعی کا منصبِ حقیقی

مصنف : حسن اسماعیل الہضیبیؒ

مترجم : گل زادہ شیرپاؤ

صفحات : ۳۶۰

تاریخ اشاعت : جون ۲۰۰۹ء

ناشر : ادارہ معارف اسلامی، منصورہ، لاہور

قیمت : ۲۴۰ روپے

تبصرہ نگار : ڈاکٹر محمد شاہد رفیع*

مارچ ۱۹۲۸ء میں حسن البنا (۱۹۰۶ء-۱۹۴۹ء) اور ان کے چھ (۶) ساتھیوں نے اسماعیلیہ، مصر میں الاخوان المسلمون کی بنیاد ڈالی۔ جلد ہی تنظیم نے عوامی مقبولیت حاصل کرلی تو یہ اغیار کی نظروں میں بری طرح کھٹکنے لگی اور پھر اس کے رہنماؤں اور کارکنوں پر ظلم وستم کے وہ پہاڑ توڑے گئے جو اپنے تسلسل، عمومیت اور شدت کے اعتبار سے تاریخ انسانی کے سیاہ ترین ابواب میں شمار کیے جا سکتے ہیں۔ ابتلاء اور آزمائش میں ثابت قدم رہنا مسلمان کا شعار ہے، البتہ تعلیم یہ دی گئی ہے کہ مصائب و شدائد سے بچے رہنے کی تدبیر اور دعا کرتے رہنا چاہیے کیوں کہ پریشانیاں ذہنی ہوں یا جسمانی، یہ انسان کی عملی زندگی ہی پر اثر انداز نہیں ہوتیں بلکہ فکر کے زاویے کو بھی تبدیل کر دیتی ہیں۔

ظلم و جور کے شکار اخوان المسلمون کے کارکنان میں مرد بھی شامل تھے اور خواتین بھی، بوڑھے بھی تھے اور جوان بھی۔ اس کے ردعمل میں کچھ نوجوانوں نے انتہا پسندانہ طرز فکر اختیار کر لیا۔ ان جذباتی نوجوانوں کے انتہا پسندانہ فکر اختیار کرنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ یہ بات سمجھنے سے قاصر تھے کہ سرکاری اہل کار، ان کی مبنی برحق جدوجہد کے جواب میں، مسلمان ہوتے ہوئے، بے انتہا ظلم و جبر کیسے کر سکتے ہیں؟ وہ یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ یہ اہل کار دین سے بالکل ہی نابلد ہیں۔ اسی وجہ سے سرکاری اہل کار ایسے احکام و فرامین جاری کرتے تھے جن کی اسلام کی رُو سے کوئی توجیہہ کرنا مشکل تھا۔ مثلاً جیل کے کسی اہل کار نے قیدیوں سے کہا:

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی،اسلام آباد۔

''چونکہ ابھی کوئی بیت الخلا خالی نہیں ہے اس لیے پہلے تم وضوکرلو پھر بیت الخلا میں جانا''۔
(وادیٔ نیل کا قافلۂ سخت جاں، مرشدعام محمد حامدابوالنصر، ص ۲۳۵)

مرشد عام ابوالنصر(۱۹۱۳ء-۱۹۹۶ء) لکھتے ہیں:

''میں نے بڑی کوشش کی کہ اسے اسلام کا یہ اصول سمجھا دوں کہ پہلے (حاجت) سے فارغ ہو کر استنجا کیا جاتا ہے اور بعد میں وضو کیا جاتا ہے مگر اس نے میری ایک نہ سنی۔ جب میں نے اس کے سامنے سنت نبویؐ کا ذکر کیا تو اس نے غضب ناک ہوکر کہا: ''او! وطن کے دشمن تو مجھے دین سکھانے آیا ہے ؟''(ایضاً)

استاد ابوالنصر کی طرح کے لوگ تو ایسے افراد کو جاہل مطلق سمجھ کر نظر انداز کر دیں گے مگر خام فکر اور جذباتی لیکن مخلص نوجوان اس کی کیا توجیہہ کریں گے۔ یہی وجہ تھی کہ اس طبقے کے دلوں میں طرح طرح کے شبہات جنم لینے لگے اور اخوان المسلمون میں جذباتی نوجوانوں کا ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا جن کا طرزفکر اخوان کی سوچ اور طریقۂ کار سے مختلف تھا۔ اخوان المسلمون کے دوسرے مرشد عام حسن اسماعیل الھضیبی نے مذکورہ بالا طرزعمل کی اصلاح کی عملی کوشش کے ساتھ ساتھ علمی بنیادوں پر تعمیر فکر کی غرض سے کتاب ''دعاۃ لاقضاۃ'' (قاضی نہیں، داعی) تحریر کی اور انتہا پسندانہ موقف رکھنے والوں کے دعوؤں کو علمی بنیاد پر بھی غلط ثابت کیا۔ اس کتاب نے اخوان میں سرایت کر جانے والی اس خطرناک بیماری کے لیے تریاق کا کام کیا۔ انتہا پسندانہ سوچ پر کاربند نوجوان اخوان سے الگ ہو گئے اور بہت سے افراد نے اپنی فکر کے دھارے درست کرلیے اور ایک بڑی تعداد انتہا پسندی سے محفوظ ہو گئی۔

حسن بن اسماعیل الھضیبی (۱۸۹۱ء-۱۹۷۳ء) ایک متوسط درجے کے خاندان میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں قرآن مجید حفظ کیا۔ انٹر کے بعد قانون کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے قاہرہ لاء کالج میں داخل ہوئے۔ ۱۹۱۵ء میں قانون کا امتحان نمایاں حیثیت سے پاس کیا اور وکالت شروع کر دی۔ ۱۹۱۹ء میں انگریزوں کے خلاف سعد زغلول پاشا کی قومی تحریک کا ساتھ دیا۔ ۱۹۲۴ء میں اپیل کورٹ کے جج بنے۔ ۱۹۴۲ء میں اخوان المسلمون سے متاثر ہوئے اور ۱۹۵۱ء میں اخوانی رہنماؤں کے مشورے پر ۲۷ سالہ ملازمت کو خیر باد کہہ کر اپنے آپ کو اخوان المسلمون کے لیے وقف کر دیا۔ اسماعیل الھضیبی جمال عبدالناصر کے تقریباً پورے دور میں جیل میں رہے۔ آپ پر اتنی سختیاں کی گئیں کہ کئی دفعہ آپ کی موت کی خبر پھیل گئی اور کئی ممالک میں کئی دفعہ آپ کی نماز جنازہ پڑھی گئی۔ امام حسن البنا کی شہادت

کے بعد ۱۹۵۱ء میں مرشد عام مقرر ہوئے۔ مرشد عام کے طور پر ان کو اندرونی اور بیرونی کئی چیلنجوں کا سامنا کرنا پڑا جن سے وہ بحسن و خوبی عہدہ برآ ہوئے اور انتہائی کٹھن حالات میں اخوان المسلمون کی قیادت سنبھال کر اسے بحرانوں سے نکالا۔

شدت پسند افراد نے داعی اور فقیہہ کے اسلوب بیان میں فرق کو صحیح طور پر نہ سمجھنے کی بناء پر مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی (۱۹۰۳ء-۱۹۷۹ء) کی کتاب ''قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں'' کی عبارات سے اپنا مفید مطلب مفہوم مراد لے لیا تھا، حسن الہضیبی نے اس کی بھی گرفت کی اور یہ سمجھایا کہ کسی کلمہ گو کی تکفیر اور اس کے انطباقات اور شدت پسندانہ رویہ اختیار کرنے کے جو دلائل ان افراد نے وضع کیے ہیں وہ منشائے شریعت اور روح اسلام کے خلاف ہیں۔

کتاب میں احادیث، اقوال و تعامل صحابہ اور اسلاف کے واقعات سے بھرپور استفادہ کرتے ہوئے مصنف نے اپنے معتدل اور حقیقی اسلامی موقف کو اس مؤثر انداز میں بیان کیا ہے کہ ہر معقول اور منصف مزاج شخص مصنف کے موقف کا قائل ہو جاتا ہے۔ کتاب کے مندرجات میں پہلی چیز موضوع سے متعلق اصطلاحات کا بیان ہے۔ سب سے پہلے الٰہ، رب، عبادت اور دین کی اصطلاحات کی وضاحت کی گئی ہے۔ اس کے بعد کفر، شرک، ارتداد اور منافقت پر تفصیل کے ساتھ بات کی گئی ہے۔ پھر حاکمیت الٰہیہ کا مفہوم اور اس کے تقاضے بیان کیے گئے ہیں اور موضوع سے متعلق تین اہم مباحث جہالت، خطا اور اکراہ پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ طاغوت کے مفہوم اور اس کی اطاعت کے احکام پر خاطر خواہ روشنی ڈالی گئی ہے اور آخر میں فہم دین کا درست انداز سمجھایا گیا ہے۔ ان موضوعات پر دلائل دیتے ہوئے اسلامی حکومت کی تعریف، اس کے قیام، ضرورت، اس کے تقاضوں، اسلام میں اجتماعیت کی حیثیت، جماعت کے فرائض، اس کے حقوق، اس کے امیر کی اطاعت اور اس سے وابستہ افراد کی ذمہ داریوں پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ضرورت اور اس کا طریق کار، اس کے لیے قوت کا استعمال اور داعی کی ذمہ داریاں بھی تفصیلاً بیان کی گئی ہیں۔ کتاب کے آخر میں کچھ شبہات کے ازالے اور عمومی طور پر اٹھائے جانے والے کچھ سوالات کے جواب بھی دیے گئے ہیں۔ اس طرح یہ کتاب دعوتی درد اور فقیہانہ علمیت دونوں کو بیک وقت اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔

جذباتی نوجوانوں کے شدت پسندانہ رجحان کی اصلاح کے لیے اور بھی بہت سی کتب اور مضامین شائع ہوئے جن میں ایک نمایاں نام ڈاکٹر علی جریشہ کی ''دعاۃ لا بغاۃ'' (باغی نہیں، داعی بنو) کا ہے۔

البتہ جو قبول عام اور تاثیر ''دعاۃ لاقضاۃ'' کو حاصل ہوئی وہ اپنی مثال آپ ہے۔

پاکستان میں شدت پسندی کی موجودہ لہر میں کچھ نہ کچھ دخل مسئلہ تکفیر کا بھی ہے۔ اس تناظر میں اس کتاب کا اُردو کے قالب میں ڈھالا جانا وقت کی ایک ضرورت تھی جسے مترجمِ کتاب، گل زادہ شیرپاؤ صاحب نے بڑی خوبی کے ساتھ پورا کیا ہے۔ انہوں نے اس کتاب کا اردو ترجمہ کرنے کا ایک اہم محرک یہ بتایا ہے کہ:

> ''اس وقت ہمارا ملک پاکستان بھی انتہا پسندی کے سیلاب کی لپیٹ میں ہے اور بہت سے لوگ دین کے نام پر بے دینی اختیار کررہے ہیں لہٰذا اس کتاب کا اردو ترجمہ ایسے افراد کو ان کی روش سے روکنے کی کوشش ہے'' (ص ۱۶)۔

مرکز علومِ اسلامیہ، منصورہ، لاہور کے استاد مولانا محمد احمد واسطی کے حواشی نے کتاب کی افادیت میں مزید اضافہ کر دیا ہے۔ ترجمہ کا معیار اچھا ہے البتہ جا بجا عربیت اور پشتو لہجے کی چھاپ نظر آ جاتی ہے۔ مثلاً:

> ''دنیا کے آخری کنارے میں کوئی شخص ہو اور اسے نبی ﷺ کا ذکر پہنچ چکا ہو مگر وہ اس کی خبر کی تحقیق سے بے پروا ہو گیا ہو اور اس نے آپؐ پر ایمان نہ لایا ہو تو یہ کافر ہے۔'' (ص ۲۰۱)

اس پورے جملے کی تشکیل ہی قابلِ غور ہے۔ ''دنیا کے آخری کنارے'' کے بجائے دور افتادہ مقام کے الفاظ استعمال ہو سکتے تھے۔ بلکہ یہ جملہ شاید یوں لکھا جاتا تو بہتر تھا:

اگر کسی شخص تک نبی ﷺ کی بعثت کی خبر اور دعوت پہنچ چکی ہو اور وہ اسے قبول کرنے سے انکار کر دے تو وہ کافر کہلائے گا۔ کیونکہ دنیا کا ''آخری کنارہ'' ہو یا پہلا اور بلاتحقیق انکار کیا جائے یا تحقیق کے بعد، منکر کو کافر ہی کہا جائے گا۔

اسی طرح: ''پس جو شخص اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے خلاف کسی حکم کو جائز سمجھتا ہے، اس کا ایمان ایک قرآنی آیت کی رو سے منتفی ہے۔'' (ایضاً) وغیرہ

منتفی کا لفظ بھی عربی کے زیرِاثر استعمال ہوا ہے۔ یہ اُردو خواں طبقہ کے لیے ایک نامانوس لفظ ہے۔

حروف خوانی (Proof Reading) توجہ سے کی گئی ہے لیکن پھر بھی کہیں کہیں اغلاط پائی جاتی ہیں۔ البتہ ترجمے کو بحیثیت مجموعی بہت اچھی کاوش کہا جانا چاہیے بالخصوص کتاب کے عنوان ''دعاۃ لاقضاۃ'' کا لفظی کے بجائے معنوی ترجمہ ''داعی کا منصبِ حقیقی'' خوبصورت ہے۔

☆☆☆☆☆